Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities

(Bi-Annual) Trilingual: Urdu, Arabic and English

ISSN: 2707-1200 (Print) 2707-1219 (Electronic)

Home Page: http://www.arjish.com

Approved by HEC in "Y" Category

Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.

Published by the Al-Khadim Foundation which is a registered organization under the Societies Registration ACT.XXI of 1860 of Pakistan

Website: www.arjish.com

Copyright Al Khadim Foundation All Rights Reserved © 2020

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

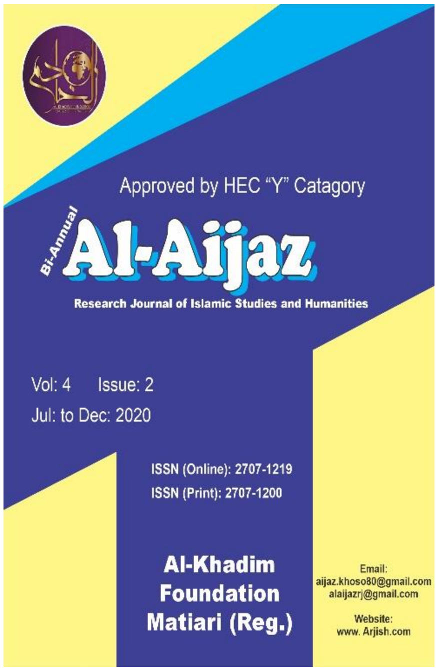

TOPIC:

Academic and research-based review of the Concept of Agency in the light of Islamic jurisprudence

AUTHORS:

1. Saeed-ur-Rehman, Ph.D Research Scholar, Faculty of Islamic Studies, Department of Quraan wa Sunnah, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Karachi. Email: saeed.rehman316@gmail.com
2. Hafiz Muhammad Sani, Incharge Department of Quraan wa Sunnah, Faculty of Islamic Studies, Department of Quraan wa Sunnah, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Karachi. Email: Drsanifuaast@gmail.com
3. Mubashirah, Ph.D Research Scholar, Faculty of Islamic Studies, Department of Uloom-e-Islami, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Karachi. Email: mubashirasani1987@gmail.com

How to cite:

Rehman, S.- ur-., Sani, H. M. ., & hirah, M. (2020). U-3 Academic and research-based review of the Concept of Agency in the light of Islamic jurisprudence . Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities, 4(2), 49-62.

https://doi.org/10.53575/u3.v4.02(20).49-62

URL: http://www.arjish.com/index.php/arjish/article/view/142

QR Code

Vol: 4, No. 1 | January to June 2020 | Page: 49-62

Published online: 2020-09-10

مسئلہ وکالت "کا فقہ اسلامی کی روشنی میں علمی و تحقیقی جائزہ

Academic and research-based review of the Concept of Agency in the light of Islamic jurisprudence

Saeed-ur-Rehman*
Hafiz Muhammad Sani**
Mubashirah***

Abstract
Human being is prone to error. A man comes to face different situations and issues in his life that he never faced earlier, so is unaware of their consequences. That's why tackling the new situations and dealing with issues, that were earlier never faced is a big challenge in everyone's life which throws one into a dilemma and confusion. In such circumstances Islamic religious law (Sharia) guides us towards utilizing our intellect and wisdom to solve the problem and delegating our job to Allah, catching hold of the strongest ring of his trust and reliance, this is what you name "Agency or Delegation" (Wakalah).
Keywords: Agency or Delegation, Islamic Jurisprudence, Juristic reasoning by analogy, Lawfulness, Conditions, Authorize, Generally accepted, Controversial and Oath.

موضوع کا تعارف:

انسان خطا کا پتلا ہے اپنی دنیاوی زندگی میں کبھی اس کے سامنے ایسے امور اور حالات رونما ہوتے ہیں جس کا پہلے کبھی سامنا نہ کرنے کی وجہ سے وہ اس کے نتائج سے بے خبر ہوتا ہے اسی لیے ان امور کو بخوبی نبھانا اور ان حالات کا مقابلہ کرنا اس کے لیے ایک دشوار گزار گھاٹی ہوتی ہے جس سے ہو کر نکلنے کے لیے وہ تردد اور کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔اس صورت حال میں شریعت نے انسان کو یہ ہدایت دی ہے کہ ایسے تمام مواقع میں اپنی عقل اور دانش کے بجائے کسی اور کی رہنمائی میں راستہ طے کرے اور اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے اسے اپنا کام سپرد کرے اسی کو وکالت کہا جاتا ہے۔

موضوع کی اہمیت اور ضرورت:

جس طرح تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، بلکہ دونوں ہاتھوں کے باہمی ملاپ سے بجتی ہے اسی طرح اس دنیا کا انتظام ابتداء سے آج تک اسی اصول پر چل رہا ہے کہ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے چاہے امیر ہو یا غریب اور یہ اصول خود قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ذکر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد بار تعالی ہے(ورفعنا بعهضم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا) (1)ترجمہ: اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت

* Ph.D Research Scholar, Faculty of Islamic Studies, Department of Quraan wa Sunnah, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Karachi.
Email: saeed.rehman316@gmail.com
** Incharge Department of Quraan wa Sunnah, Faculty of Islamic Studies, Department of Quraan wa Sunnah, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Karachi.
Email: Drsanifuaast@gmail.com
***Ph.D Research Scholar, Faculty of Islamic Studies, Department of Uloom-e-Islami, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Karachi.
Email: mubashirasani1987@gmail.com

دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔ چنانچہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کا بخوبی مشاہدہ کرتے ہوئے آرہے ہیں کہ سنار کو کاروبار زندگی چلانے کے لیے ڈاکٹر، ڈرائیور، سبزی فروش وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے ٹھیک اسی طرح سبزی فروش کو بیماری کے وقت ڈاکٹر کی اور سواری کے وقت ڈرائیور کی ضرورت پڑتی ہے۔

بہر کیف! اللہ رب العزت نے تمام بنی نوع انسان کو اس خوبصورت نظام کے تحت زنجیر کے کڑوں کی طرح ایک دوسرے سے باہم جوڑ دیا ہے۔اور یہ ایک واضح سی بات ہے کہ اللہ رب العزت نے انسانوں کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے، کوئی اپنے اندر ودیعت کردہ صلاحیت کی بناپر ایک کام میں اثر ورسوخ رکھتا ہے تو کوئی دوسرے کام میں اسی وجہ سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک انسان کو دوسرے کا سہارا لینے کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور یہ سہارا عموماً دو وجہوں سے لیا جاتا ہے:

1. کام کرنے والے کو کام میں مہارت نہیں ہوتی ہے تو وہ دھوکہ سے بچنے کے لئے اس متعلقہ کام کے ماہر کو مقرر کرتا ہے۔
2. کام کرنے والے کے پاس وقت نہیں ہوتا تو وہ کسی اور کو مقرر کرتا ہے تاکہ کام بھی پایۂ تکمیل تک پہنچے اور اس کا وقت بھی خرچ نہ ہو اور یہی عمل "وکالت" کہلاتا ہے۔

وکالت کی ضرورت موجودہ زمانے میں ہی نہیں بلکہ قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے جیسا کہ قرآنی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے جو انشاء اللہ آگے ذکر کی جائینگے۔ ہاں البتہ موجودہ زمانے میں اس کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی ہے جیسے جیسے دنیا تیزی سے اپنا ترقی کا سفر طے کررہی ہے ویسے ہی معاملات بھی نئی سے نئی شکل اور روپ اپنا رہے ہیں، خصوصاً عدالت کے مقدمات جس کو سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے کیونکہ عدالت کی اپنی زبان ہوتی ہے جسے سمجھنے کے لیے کئی سالوں پہ مشتمل نصاب پڑھنا پڑتا ہے، اسی بناء پر ہمیں کسی وکیل کی ضرورت پڑتی ہے۔اسی طرح وقت کی ضرورت کے پیش نظر آجکل مالی معاملات کے بہت سے ادارے قائم ہو چکے ہیں مثال کے طور پر بینک اور اسٹاک ایکسچینج وغیرہ، لیکن ان اداروں میں وکیل بنائے بغیر کوئی کام نہیں کرایا جا سکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان ادارون میں معاملات بہت نازک اور فنی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ عام انسان کے لیے اس کا سمجھنا انتہائی دشوار ہوتا ہے بلکہ اس کے لیے باقاعدہ ماہرین سے تعلیم لی جاتی ہے اور کئی سال کی تعلیم کے بعد ان اداروں میں کام کرنے کا اہل سمجھا جاتا ہے۔

مسئلہ کی وکالت کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات وکالۃ" واو کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ آتا ہے لغت میں وکالت: ا۔ سپرد کرنے، ۲۔ حفاظت کرنے اور، ۳۔ بھروسہ کرنے کے معنی میں آتا ہے [چنانچہ کہا جاتا ہے: وكله في الأمرو عليه: کوئی کام کسی کے سپرد کرنا، ۲۔قرآن میں آیا ہے:

(حسبنا الله ونعم الوكيل)[2] ترجمہ: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین محافظ ہے، ۳۔اور وکل بالله، اتكل على الله کا معنی ہے: خدا پر بھروسہ کرنا، قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:(وعلى الله يتوكل المؤمنون)[3] ترجمہ: مؤمنین اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

معجم لغۃ الفقہاء میں وکالت کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے:الوكالة: بفتح الواو وكسرها ، الاسم من وكل فلانا: فوض إليه أمرا من الأمور اسم مصدر بمعن التوكيل: الحفظ[4]۔

ترجمہ: وکالت واو کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کوئی کام کسی کے سپرد کر دینا اس کا اسم مصدر التوکیل حفاظت کے معنی میں آتا ہے۔

مسئلہ وکالت کی اصطلاحی تعریف:

فقہی اصطلاح میں "وکالت" ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں آپکا کوئی متعین کام کوئی دوسرا شخص آپکی طرف سے بطور نیابت کے انجام دے۔اس مفہوم کو مختلف فقہائے کرام نے مختلف تعبیرات اور انداز سے بیان کرکے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

حضرات احناف کے ہاں مسئلہ وکالت کی تعریف:

1. بحر الرائق میں "وکالت" کی تعریف یہ ذکر کی گئی ہے:

(هو إقامة الغير مقام نفسه في التصرف)(5)

ترجمہ: کسی انسان کو کسی معلوم کام میں اپنا نائب بنانا۔

حضرات شوافع کے ہاں مسئلہ وکالت کی تعریف:

(تفويض شخص شيأ، له فعله مما يقبل النيابة إلى غيره ليفعله حال حياته.)(6)

ترجمہ۔ کسی شخص کا کسی دوسرے کو ایسا کام سپرد کرنا جس میں اسے نائب بنانے کا حق ہو، تاکہ وہ اسے اسکی زندگی میں انجام دے۔

حضرات حنابلہ کے ہاں مسئلہ وکالت کی تعریف:

استنابة جائز التصرف مثله فيما تدخله النيابة.(7)

ترجمہ۔ وکالت اپنے جیسے انسان کو نائب بنانا ہے ایسے تصرف میں جس میں نیابت درست ہو۔

حضرات مالکیہ کے ہاں مسئلہ وکالت کی تعریف:

نيابة ذي حق غير ذي إمرة ولا عبادة لغيره فيه غير مشروطة بموته-(8)

ترجمہ۔ وکالت نام ہے نائب بنکر حقدار کے حق کو وصول کرنے کا بشرطیکہ وہ نائب عورت نہ ہو اور نیابت عبادات میں نہ ہو، (نیز) وکالت موت کے ساتھ مشروط نہیں ہوتی۔

مسئلہ وکالت کا ثبوت اور اسکا تصور قرآن کی روشنی میں:

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا ہے جس میں ارشاد خداوندی ہے:

(فٱبعثوا أحدكم بورقكم هذه إلى ٱلمدينة فلينظر أيها أزكىٰ طعاما فليأتكم برزق منه وليتلطف ولا يشعرن بكم أحدا)(9)

ترجمہ: پس بھیجو کسی ایک کو یہ پیسے دیکر شہر کی طرف تاکہ وہ دیکھے کہ کونسا کھانا حلال ہے تو اس میں سے تمہارے لیے کچھ کھانا لے آئے اور نرمی سے کام لے اور نہ بتلائے تمھارے بارے میں کسی کو۔

یہ آیت وکالت پر صریح دلالت کررہی ہے۔اس آیت میں اصحاب کہف نے اپنے ایک ساتھی کو بازار سے کھانا خرید کر لانے کا وکیل بنایا اور فقہی اصطلاح میں یہ (وکیل بالشراء) کہلاتا ہے۔

ایک اور مقام میں اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

(إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل)-(10)

ترجمہ: صدقات تو صرف حق ہیں غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں۔

صدقات واجبہ کے مستحق افراد کو ذکر کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے "العاملین فیھا" کا بھی ذکر فرمایا اور عاملین سے مراد امام المسلمین کے وہ کارندے ہیں جو امام کی اجازت سے اس کے نائب بن کر لوگوں سے زکاۃ وصول کرتے ہیں گویا کہ وہ زکاۃ کی وصولی میں امام کی طرف سے وکیل ہوئے اور زکاۃ اسلام کا ایک عظیم الشان رکن ہے جب اس میں وکالت جائز ہے تو دیگر احکام جس میں نیابت جاری ہوتی ہے اسمیں تو بطریق اولی جائز ہوگی۔

مسئلہ وکالت کا ثبوت اور اس کا تصور احادیث کی روشنی میں:

عن أبي هريرة أن رجلا أتى النبي ﷺ يتقاضاه فأغلظ فهم به أصحابه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «دعوه، فإن لصاحب الحق مقالا»، ثم قال: «أعطوه سنا مثل سنه»، قالوا: يا رسول الله، إلا أمثل من سنه، فقال: «أعطوه، فإن من خيركم أحسنكم قضاء» -[11]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اپنے کسی قرض کے مطالبے کے لیے اور مطالبہ کرنے میں سختی اور شدت سے کام لیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس کو روکنے کی کوشش کی آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ صاحب حق کو کہنے کا حق ہے پھر فرمایا: اس کو اس کے جانور کے مثل جانور دے دو صحابہ نے فرمایا: اس کے جانور جیسا تو ہم نہیں پاتے، البتہ اس سے بڑا جانور ہے یعنی (اس سے بہتر ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: یہی دے دو تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو (قرضہ کی) ادائیگی میں اچھا ہو۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو دین کی ادائیگی کا وکیل بنایا اور انہوں نے آپ کی طرف سے دین کی ادائیگی اچھے طریقے سے کی۔ یہ حدیث وکالت کے جواز پر واضح دلیل ہے۔ اور اسی طرح بخاری کی روایت میں آپ ﷺ نے حضرت عروۃ بارقی رضی اللہ عنہ کو ایک دینار دے کر جانور خریدنے کا وکیل بنایا اور فقہی اصطلاح میں یہ "وکیل بالشراء" کہلاتا ہے۔

۔ اور اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں ذکر کیا ہے کہ:

روى جابر بن عبد الله قال: أردت الخروج إلى خيبر فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم-، فسلمت عليه، فقلت له: إني أردت الخروج إلى خيبر فقال: إذا أتيت وكيلي فخذ منه خمسة عشر وسقا فإن ابتغى منك آية فضع يدک على ترقوته-[12]

اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کے وکیل سے پندرہ وسق وصول کرے۔

مسئلہ وکالت کی مشروعیت قیاس سے:

عقل اور قیاس بھی وکالت کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے اس لیے کہ اللہ رب العزت نے انسانوں کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ جس طرح کلاس میں ایک ہی استاد سے پڑھتا ہے تاہم طلباء اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف مضامین میں مہارت رکھتے ہیں کوئی کمیسٹری میں ماہر ہوتا ہے تو کوئی ریاضی میں، بلکل اسی طرح دنیاوی امور میں بھی کوئی ایک کام اچھے طریقے سے انجام دے سکتا ہے تو کوئی دوسرا۔ بسا اوقات آدمی دانا اور سمجھدار ہوتا اور دوسرا ناتجربہ کار ہوتا ہے اور اسی طرح کسی مقدمہ میں ایک شخص حق پر ہوتا ہے جبکہ دوسرا فریق مخالف ناحق پر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حق پر ثابت کرنے کے قابل ہوتا ہے، تو ایسے مواقع میں وکالت کی اشد ضرورت پڑتی ہے تاکہ لوگوں کی مصلحتوں کی رعایت اور ان کی ضرورتوں کو بآسانی پورا کیا جاسکے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان)۔[13]

ترجمہ: اور تعاون کرو نیکی اور تقوی کے کاموں میں اور برائی کے کاموں کی حوصلہ شکنی کرو۔

اور کسی کی حاجت اور ضرورت کو پورا کرنا نیکی کا کام ہے اور وکالت میں دوسروں کی مصلحتوں کی رعایت اور ضرورتوں کو ہی پورا کیا جاتا ہے، لہٰذا عقل اور قیاس بھی وکالت کے مشروعیت کی متقاضی ہے۔

مسئلہ وکالت کے ارکان اور اس کے بنیادی عوامل:

وکالت کے ارکان بھی عقد بیع اور نکاح کی طرح ایجاب و قبول ہیں۔ جو شخص وکالت کی پیشکش کرے اس کی بات ایجاب اور وہ خود مؤکل کہلائے گا اور جو شخص اس وکالت کو قبول کرے اس کی بات قبول اور وہ خود وکیل کہلائے گا مثلا: زید نے عمر کو پیسے دیے کہ وہ اس کے لیے موبائل خرید کر لائے اور عمر نے پیسے لئے اور موبائل لانے کی یقین دہانی کروائی تو زید کا کلام ایجاب اور عمر کا کلام قبول تصور کیا جائے گا اور وہ خود زید مؤکل اور عمر وکیل ہوا اور یہ ایجاب و قبول مطلق بھی ہو سکتا ہے اور کسی شرط مثلا وقت کے ساتھ مشروط بھی ہو سکتا ہے۔

فائدہ: اگر وکیل نے وکالت کی پیشکش کے وقت اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بعد میں وہ مطلوبہ چیز لے آیا جس کا اسے وکیل بنایا گیا تھا تو عقد وکالت منعقد نہ ہونے کی وجہ سے وہ وکیل ہی کی ملکیت شمار ہو گی نہ کہ مؤکل کی، ہاں اگر مؤکل خود چاہے تو اسے پیسے دے کر وہ چیز اس سے وصول کر سکتا ہے۔

مسئلہ وکالت کی شرائط:

عقد وکالت کے صحیح ہونے کے لیے فقہائے کرام نے چند شرائط ذکر کی ہین جن کا عقد وکالت میں لحاظ کیے بغیر عقد وکالت منعقد نہیں ہو گا۔ ان شرائط میں سے بعض کا تعلق مؤکل اور بعض کا تعلق وکیل سے ہے، بعض شرائط ایسی ہیں جن کا تعلق مؤکل فیہ یعنی اس معاملہ سے ہے جس کا عقد وکالت منعقد کیا جا رہا ہے۔

مؤکل سے متعلق شرائط:

مؤکل سے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ جس کام کا کسی کو وکیل بنا رہا ہے اس میں خود بھی تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہو کیونکہ وکالت اپنا اختیار دوسرے کو سپرد کرنے سے عبارت ہے تو جب کوئی شخص خود ہی کسی کام میں تصرف کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو تو وہ دوسرے کو اختیار کس طرح سونپ سکتا ہے؟ چنانچہ اسی وجہ سے پاگل، بے شعور نابالغ بچہ دوسرے کو کسی کام کا وکیل نہیں بنا سکتا، البتہ جو نابالغ بچہ عقل و شعور رکھتا ہو وہ دوسرے کو ان ہی تصرفات کا اختیار سونپ کر وکیل بنا سکتا ہے جس کا وہ خود اختیار رکھتا ہو۔

وکیل سے متعلق شرائط:

وکیل سے متعلق شرائط کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلے حصہ میں متفق علیہ شرائط یعنی ان شرائط کا ذکر ہو گا جن پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے، اور دوسرے حصہ میں مختلف فیہ شرائط یعنی ان شرائط کا ذکر کیا جائے گا جن میں فقہائے کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

مسئلہ وکالت کی متفق علیہ شرائط:

ا۔ وکیل کا عاقل ہونا:

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وکیل کا عاقل ہونا ضروری ہے، لہٰذا مجنون، پاگل، ناسمجھ اور نابالغ بچے کا وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ اور

اسی طرح وہ جوان کے حکم میں ہیں جیسے نائم (سونے والا) معتوہ، مغمی علیہ (بے ہوش) ان کو بھی وکیل نہیں بنایا جا سکتا، اسلئے کہ یہ غیر مکلف ہیں۔

عاقل ہونے کا معیار:

احناف نے وکیل میں عقل کے معیار کو جانچنے کے لیے دو طریقے ذکر کئے ہیں:

پہلا طریقہ:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب وکیل کو یہ علم ہو کہ شراء (خریداری) ثمن ادا کرنے اور بیع کو حاصل کرنے کا نام ہے اور ساتھ ساتھ غبن فاحش اور غبن یسیر کے درمیان امتیاز کر سکتا ہو تو سمجھا جائے گا کہ وکیل عاقل ہے۔

دوسرا طریقہ:

جبکہ دوسرے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وکیل کو جب یہ معلوم ہو کہ شراء (خریداری) (جالب للمبیع اور سالب للثمن) ہے، یعنی ثمن کے بدلے میں مبیع کو حاصل کرنے کا نام ہے اور بیع (فروخت کرنا) اس کے برعکس ہے تو سمجھا جائے گا کہ وکیل عاقل ہے، باقی غبن فاحش اور غبن یسیر کے درمیان امتیاز کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ بعض اوقات عقلاء بھی قیمت مثلیہ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے غبن فاحش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان دونوں طریقوں کو جمع کرنا ممکن ہے ان میں صرف حیثیتوں کا فرق ہے۔ وہ اس طرح کے جن حضرات نے عاقل میں غبن کے معلوم ہونے کی شرط لگائی ہے وہ اس وقت ہے جبکہ قیمت مثلیہ ہو اور جنہوں نے یہ شرط نہیں لگائی انہوں نے قیمت مثلیہ معلوم نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے۔

۲۔ وکیل کی رضامندی کا ہونا:

تمام فقہائے کرام کے ہاں وکیل کا عقد وکالت پر راضی ہونا بھی شرط ہے۔ جس طر مؤکل کے لیے ضروری تھا کہ وہ معاملہ اپنی رضامندی سے بالقصد کرے، اس پر کسی کی طرف سے اکراہ وجبر نہ ہو، اسی طرح وکیل کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ عقد وکالت کو اپنی رضامندی سے قبول کرے۔ اگر عقد وکالت کو قبول کرتے وقت وکیل کی رضامندی نہیں پائی گئی تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

۳۔ وکیل کو مؤکل کا علم ہونا:

وکیل کے لیے اپنے مؤکل کو جاننا بھی ضروری ہے اگر وکیل کو یہ علم نہ ہو کہ اسے کس نے وکیل بنایا ہے تو عقد وکالت نافذ نہیں ہوگا۔

۴۔ وکیل کا مرتد ہونا:

وکیل کا مرتد ہونا وکالت کی صحت کے لیے مضر نہیں ہے۔ اگر کسی نے دوسرے شخص کو وکیل بنایا اس حال میں کہ وہ مسلمان تھا بعد میں وہ مرتد ہو گیا تو اس کا مرتد ہونا وکالت کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوگا بلکہ وکالت بدستور صحیح رہے گی کیونکہ مرتد کو ابتداء وکیل بنانا جائز ہے تو بقاء بدرجہ اولی جائز ہوگا: اس لیے کہ امام صاحب نے مرتد کے تصرفات کو جو موقوف قرار دیا ہے وہ اس کی اپنی مملوکہ اشیاء میں ہے۔ اسی لیے امام صاحب کے ہاں مرتد کا کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے جبکہ وکالت کے اندر وہ اپنی مملوکہ اشیاء میں تصرف نہیں کرتا بلکہ مؤکل کی ملکیت میں اس کی اجازت سے تصرف کرتا ہے۔ البتہ اگر مرتد دار الحرب چلا گیا اور وہ "ردۃ" کی حالت میں قتل کیا گیا تو پھر یہ عقد وکالت باطل

ہو جائے گا۔اور مرتدہ عورت کا مؤکل اور وکیل بننا تمام فقہائے کرام کے ہاں جائز ہے البتہ اگر قاضی نے اس کے دار الحرب جانے کا حکم جاری کیا ہو اور وہ مر گئی ہو تو پھر عقد وکالت باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ وکالت کی مختلف فیہ شرائط:

ا۔وکیل کا بالغ ہونا:

وکیل کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے یا"صبی ممیز"یعنی اس نابالغ سمجھدار بچہ کو بھی وکیل بنایا جاسکتا ہے جو مفوضہ معاملے کو سمجھ سکتا ہو؟اس میں فقہائے کرام کی تین مختلف آراء ہیں:

مسئلہ وکالت میں شافعیہ اور مالکیہ کا مسلک:

پہلی رائے شافعیہ اور مالکیہ کی ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ وکیل کا بالغ ہونا ضروری ہے"صبی ممیز"وکیل نہیں بن سکتاالبتہ شوافع بعض مخصوص صورتوں میں صبی ممیز کو وکیل بنانا صحیح سمجھتے ہیں بشرطیکہ وہ جھوٹ نہ بولتا ہو،اگر صبی ممیز جھوٹ بھی بولتا ہو تو چونکہ اس کی وکالت کا اعتبار نہیں ہے اس لیے وکالت بھی صحیح نہیں ہو گی۔علامہ عبدالرحمٰن الجزری اپنی شہرہ آفاق کتاب(الفقہ علی المذاہب الأربعہ)میں شافعیہ کا مذھب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

(ومنها الصبي الذي لم يجرب عليه الكذب مرة واحدة يجوز توكيله في إيصال الهدية، والإذن في دخول الدار، وتفرقة الزكاة، وذبح الأضحية ومع ذلک فهو ممنوع من التصرف)۔[14]

ترجمہ:اوران میں سے وہ بچہ بھی ہے جس کی زبان پر جھوٹ کبھی جاری نہ ہوا ہو تو اس کی وکالت جائز ہے،ھدیہ کی پہنچانے میں،گھر میں داخل ہونے کی اجازت کے بارے میں،اسی طرح زکاۃ کے مال کے جدا کرنے میں اور قربانی کے ذبح کرنے میں باوجود یہ کہ اس کے تصرفات ممنوع ہیں۔لہذا اس سے معلوم ہوا کہ شافعیہ بعض مخصوص صورتوں میں ایسے بچے کو وکیل بنانے کی اجازت دیتے ہیں جس کی زبان پر جھوٹ جاری نہ ہوتا ہو۔

مسئلہ وکالت میں شافعیہ اور مالکیہ کی دلیل:

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ صبی ممیز بالغ نہ ہونے کی وجہ سے فاقد الاھلیہ ہوتا ہے،لہذا اس کے تصرفات قابل اعتبار نہیں ہونگے اس لیے اس کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ وکالت میں حنابلہ کا مسلک:

حنابلہ فرماتے ہیں کہ صبی ممیز کا وکیل بننا ولی کی اجازت پر موقوف ہے اس لیے کہ اس کے تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں۔ جب ولی نے اجازت دے دی تو پھر اس کا وکیل بننا بھی صحیح اور جائز ہے ورنہ نہیں جیسا کہ مؤکل کی شرائط میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ وکالت میں حنفیہ کا مسلک:

احناف ؒفرماتے ہیں کہ صبی ممیز کا وکیل بننا جائز و صحیح ہے،چاہے وہ ماذون فی التجارۃ ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ وکالت میں حنفیہ کی دلیل:

احناف حضرت عمر بن اُم سلمہ رضی اللہ عنہ کے وکالت کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ:

حدثني ابن عمر عن أبي سلمة عن أبيه عن أم سلمة أن رسول الله ﷺ خطب أم سلمة فقالت: يا رسول الله! إنه ليس من أوليائي، تعني شاهدا فقال:إنه ليس من أوليائک شاهد ولا غائب يکره ذلک فقالت: يا عمر زوج النبي ﷺ فتزوجها إلى النبي ﷺ-(15)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ام سلمہ کو نکاح کا پیغام دیا تو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میرے رشتہ داروں میں سے کوئی موجود نہیں ہے یعنی وہ گواہ مراد لینا چاہتی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے رشتہ داروں میں سے کوئی بھی حاضر ہو یا غائب اس کو ناپسند نہیں کرے گا۔ تو اس (ام سلمہ) نے عمر سے کہا: اے عمر نبی اکرم ﷺ سے نکاح کر دے، تو انہوں نے ان کا نکاح نبی اکرم ﷺ سے کر دیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صبی ممیز کی وکالت جائز ہے کیونکہ حضرت عمر بن اُم سلمہ کی عمر نبی اکرم ﷺ کے نکاح کے وقت چھ سال بنتی ہے اور چھ سال کا بچہ باشعور ہو جاتا ہے۔

۲۔الحریۃ (وکیل کا آزاد ہونا)

مختلف فیہ شروط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وکیل کا آزاد ہونا ضروری ہے یا غلام بھی وکیل بن سکتا ہے؟ اس میں فقہائے کرام کی دو آراء ہیں۔

مسئلہ وکالت میں جمہور کی رائے:

جمہور کے ہاں غلام کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ وکالت میں جمہور کی دلیل:

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے منافع سب کے سب مولی کی ملکیت ہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے مولی کا مال ہو تو جس طرح غلام کے لیے اپنے مولی کا مال بغیر اجازت کے خرچ کرنا جائز نہیں ہے تو اسی طرح اپنے منافع جو کہ مولی کی ملک ہے اسے بھی مولی کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ وکالت میں حنفیہ کی رائے:

احناف کے ہاں چونکہ وکالت میں (آزادی) شرط نہیں ہے لہٰذا غلام وغیرہ کو بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

مسئلہ وکالت میں حنفیہ کی دلیل:

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ ''رقیت'''(غلامی) کو وکالت کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں کوئی دخل نہیں، باقی رہی یہ بات کہ غلام کے وکیل بننے سے مولی کو نقصان ہو گا تو یہ بات ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ غلام کسی اور کا وکیل ہونے کے باوجود مولی کے لیے باعث ضرر و نقصان نہ ہو، اس لیے احناف کے ہاں آزاد کی طرح وکیل کو بھی غلام بنانا جائز ہے۔

۳۔الاسلام

مختلف فیہ شروط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وکیل کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا کہ غیر مسلم کو بھی وکیل بنانا جائز ہے؟

مسئلہ وکالت میں جمہور کا مذہب:

جمہور حضرات کا مسلک یہ ہے کہ وکیل کے لیے مسلمان ہونا شرط و ضروری نہیں ہے بلکہ غیر مسلم بھی وکیل بن سکتا ہے۔

مسئلہ وکالت میں مالکیہ کا مذہب:

مالکیہ کے ہاں چونکہ وکالت میں (اسلام) شرط ہے لہٰذا غیر مسلم کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

۴۔ العدالۃ (وکیل کا عادل ہونا)

مختلف فیہ شروط میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ وکیل کا عادل ہونا ضروری ہے یا یہ کہ فاسق کو بھی وکیل بنانا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں فقہائے کرام کی دو آراء ہیں:

مسئلہ وکالت میں شافعیہ کی رائے:

شوافعؒ کے ہاں وکیل با لنکاح اور اسی طرح اس مال کے بیچنے کے وکیل کے لیے کہ جس مال کے بیچنے پر پابندی عائد کی گئی تھی، عدالت شرط ہے اگر اس کے لیے کسی فاسق کو وکیل بنایا تو وکالت صحیح نہیں ہوگی، وکیل با لنکاح کے لیے عدالت کی شرط میں حنابلہ نے شافعیہ کی موافقت کی ہے۔

مسئلہ وکالت میں حنفیہ اور مالکیہ کی رائے:

احناف اور مالکیہ کے ہاں وکیل کے لیے عادل ہونا ضروری نہیں، فاسق کو بھی وکیل بنایا جا سکتا ہے البتہ مالکیہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ وکیل مؤکل کا خصم اور دشمن نہ ہو جائے، یہ عداوت دینیہ ہو یا اس کے علاوہ، لہٰذا کتابی مسلمان کا اور عیسائی یہودی کا یا اس کے برعکس وکیل نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ ان میں عداوت دینیہ موجود ہے۔

۵۔ وکیل کا متعین و معلوم ہونا

وکالت میں وکیل کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے یا یہ کہ مجہول کو بھی وکیل بنایا جا سکتا ہے؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

مسئلہ وکالت میں شافعیہ کی رائے:

شوافعؒ کے ہاں وکیل کا معلوم و متعین ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ وکیل مجہول بھی اگر کسی معلوم شخص کے تابع ہو تو اس کی وکالت بھی صحیح ہے۔ مثلاً: مؤکل نے کہا: ''وكلتک في بيع سيارتي وكل مسلم'' کہ میں نے تجھے اور ہر مسلمان کو اپنی گاڑی کے بیچنے کا وکیل بنایا، اب یہاں ''وکل مسلم'' مجہول ہے لیکن وکیل مخاطب معلوم ہے، لہٰذا جب وہ یا کوئی بھی مسلمان آدمی اس میں تصرف کرے گا تو تصرف کرنے سے وہ خود بخود متعین ہو گا۔

مسئلہ وکالت میں جمہور حضرات کی رائے:

جمہور حضرات کی رائے یہ ہے کہ وکیل کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے وکیل کی طرف نسبت کر کے یا پھر اس کی ترف اشارہ کر کے کہ (فلاں میرا وکیل ہے) یا اس کے علاوہ کسی طریقہ سے متعین کرنا ضروری ہے، مجہول و غیر متعین شخص کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص دو آدمیوں میں سے کسی کو غیر متعین طور پر کہے کہ (تو میرا وکیل ہے) تو یہ کافی نہیں ہے۔

مسئلہ وکالت میں جمہور حضرات کی دلیل: جمہور حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وکالت ایسا عقد ہے کہ اس پر اس کے اثرات، مثلاً حقوق عقد کا لوٹنا اور کسی چیز کا التزام وغیرہ مرتب ہوتے ہیں تو ضروری ہے کہ وکیل متعین و معلوم ہو تا کہ اس پر یہ اثرات مرتب ہو سکیں، لہٰذا جس نے یہ کیا کہ ''وكلت في بيع داري من يريدبيعها'' کہ میں نے اپنے گھر کے بیچنے کا ہر اس شخص کو وکیل بنایا جو اس کو بیچنا چاہے تو اس کا یہ کلام لغو اور بے اعتبار ہے۔

٦۔وکیل کو وکالت کا علم ہونا:

وکیل کو اپنی وکالت کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے یا نہیں؟اس بارے میں فقہائے کرام کی دو آراء ہیں۔

مسئلہ وکالت میں جمہور حضرات کی رائے:

جمہور حضرات کی رائے یہ ہے کہ وکیل کو وکالت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے اگر وکیل نے وکالت کا علم ہوئے بغیر موکل کے واسطے کوئی تصرف کیا پھر معلوم ہوا کہ مؤکل نے اس کو وکیل بنایا ہے اگر مؤکل نے اس کام کا وکیل بنایا تھا جو کہ وکالت کا علم ہوئے بغیر اس نے مؤکل کے واسطے سرانجام دیا تھا، تو یہ بھی اس وکالت کے تحت آئے گا۔

مسئلہ وکالت میں حنفیہ کی رائے:

احناف کی رائے یہ ہے کہ وکیل کو وکالت کا علم ہونا ضروری ہے، چاہے بالمشافھہ (روبرو) خط و کتابت کے ذریعے سے ہو یا مؤکل نے وکیل کی طرف کوئی قاصد بھیج کر اس کو باخبر کیا ہو یا دو گواہوں نے وکیل کے روبرو گواہی دی ہو کہ فلاں شخص نے آپ کو وکیل بنایا ہے یا ایک گواہ نے گواہی دی ہو اور وکیل نے اس کی تصدیق کی ہو تو ان تمام ذریعوں میں سے کسی بھی ذریعے سے وکالت کا علم ہو گیا تو وہ وکالت معتبر سمجھی جائے گی لہٰذا اگر وکیل نے وکالت کا علم ہوئے بغیر مؤکل کے واسطے کوئی تصرف کر لیا تو اس تصرف میں وہ فضولی شمار ہو گا، اگر بعد میں مؤکل نے اجازت دے دی تو پھر یہ نافذ ہو جائے گا اور سابقہ وکالت کے زمرے میں نہیں آئے گا بلکہ یہ وکالت جدیدہ شمار ہو گی کیونکہ سابقہ وکالت کا تو وکیل کو علم ہی نہیں تھا۔

مسئلہ وکالت میں حنفیہ کی دلیل:

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ وکالت ایسا عقد ہے جو کہ وکیل کو وکالت کا علم ہونے کا تقاضا کرتا ہے تاکہ وکیل علم کے مطابق مفوضہ کام سرانجام دے سکے۔ اگر وکیل کو وکالت کا علم ہی نہ ہو تو وہ مفوضہ کام کو کیسے انجام دے گا؟اور وکیل کو وکالت کا علم ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وکالت کا علم ہونے سے پہلے اس کا تصرف مؤکل کے حق میں ایسا ہی ہوا جیسا کہ کسی غیر کے حق میں تصرف ہو جو کہ اس کی اجازت کے بغیر ناجائز ہے۔

مؤکل فیہ کی شرائط:

وکالت کی بعض شرائط کا تعلق مؤکل فیہ یعنی اس چیز سے ہے جس میں وکالت کا معاملہ وکیل کے سپرد کیا جارہا ہے وہ شرائط درج ذیل ہیں:

پہلی شرط:

پہلی شرط یہ ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا جارہا ہے وہ ان اشیاء میں سے نہ ہو جو عموماً مباح ہیں اور ان میں ہر ایک کے لیے تصرف کرنا جائز ہے۔ جیسے جنگلات کی گھاس اور اس کی لکڑیاں کاٹنے کا وکیل بنانا، اسی طرح حکومت کی طرف سے عام پانی مثلاً نہر یا کنواں وغیرہ سے اپنے باغات یا زمین سیراب کرنے کا وکیل بنانا یا کسی معدن (کان) نکالنے کا وکیل بنانا جیسا کہ سونا وغیرہ کی کان ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور کان ہو، یعنی جو چیزیں عمومی طور پر مباح ہیں اور ان میں ہر ایک تصرف رکھنے کا حق رکھتا ہے تو ان میں کسی دوسرے کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ یہ شرط ائمہ احناف کے ہاں ہے۔**ائمہ ثلاثہ** کی رائے یہ ہے کہ مباح چیزوں میں وکالت صحیح ہے جن میں ہر ایک کے لیے تصرف کرنا جائز ہے اور جو کچھ وکیل کو محنت کے بعد حاصل ہو گا وہ وکیل اور مؤکل کے درمیان بغیر کسی ترجیح کے برابر تقسیم ہو گا کیونکہ جس طرح بیع و شراء ملکیت کا ایک

سبب ہے اور اس میں وکالت صحیح وجائز ہے اسی طرح یہ بھی ملکیت کا ایک متعین سبب ہے اس لیے اس میں بھی وکالت جائز ہوگی۔

دوسری شرط:

مؤکل فیہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ مؤکل فیہ مؤکل کی ملکیت میں بھی ہو کیونکہ جب تک وہ مؤکل کی ملکیت میں نہیں ہوگی تو مؤکل خود اس میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا چہ جائیکہ کسی اور کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار سونپ کر وکیل بنائے یہ شرط تمام ائمہ کے ہاں متفق علیہ ہے۔

تیسری شرط:

مؤکل فیہ کی تیسر شرط یہ ہے کہ مؤکل فیہ "قرض کا معاملہ نہ ہو"، یعنی کسی دوسرے شخص سے قرض مانگنے کا وکیل نہ بنایا گیا ہو کیونکہ توکیل بالاستقراض یعنی قرض طلب کرنے کا وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا تو اس قرض کا وکیل ہی مالک ہوگا نہ کہ مؤکل اور اس کے تمام تر احکام وکیل ہی کی طرف لوٹیں گے مؤکل کے حوالے کرنا وکیل کے ذمہ لازم نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ کسی دوسرے شخص کو قرض مانگنے کا قاصد اور پیامبر بنایا جاسکتا ہے کہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ "میرے لیے فلاں سے قرض لے لو" اور اگر کسی نے ایسا کیا اور وہ رسول (قاصد) نے جاکر مرسل الیہ سے مرسل کے لیے قرض وصول کیا تو اب یہ قرض مرسل ہی کا شمار ہوگا نہ کہ رسول و قاصد کا اور اس کے تمام احکام مرسل ہی کی طرف لوٹیں گے، اس لیے رسول کے لیے لازم ہے کہ وہ قرض مرسل کے حوالے کرے، خود اس میں تصرف کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

مؤکل فیہ کی چوتھی شرط:

مؤکل فیہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ عبادات کی قبیل سے نہ ہو، عبادات میں وکالت میں تفصیل یہ ہے کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ عبادات جو بالکل نیابت ووکالت کو قبول نہیں کرتیں (۲) وہ عبادات جو نیابت ووکالت و قبول کرتی ہیں۔ وہ عبادات جو وکالت و نیابت کو قبول نہیں کرتیں جیسے عبادات قلبیہ محضہ (یعنی جن کا تعلق محض دل کے ساتھ ہو) اور بدنیہ محضہ (یعنی جن کا تعلق محض بدن کے ساتھ ہو)۔ عبادات قلبیہ محضہ کی مثال جیسے: ایمان باللہ تعالی کہ اس کا تعلق صرف دل کے ساتھ ہے اور یہ تمام عبادات کے لیے بنیاد ہے اور ان کی ادائیگی کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے، چونکہ عبادت سے غرض اللہ کی بندگی کا اظہار اور تحقق ہے اور یہ نام ہے انتہائی درجہ کی عاجزی اور ذلت کا بوجہ غایت درجہ کی محبت کے، جو کہ بندے کو رب تعالی سے ہوتی ہے اور ہر مکلف کے ساتھ بعینہ مختص ہے اور اس کے مصالح اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس لیے اس میں کسی اور کو اپنا نائب یا وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ اور عبادات بدنیہ محضہ کی مثال جیسے نماز روزہ کہ ان کا تعلق بدن کے ساتھ ہے اور یہ اللہ کی تعظیم اور اس کے جلال کے اظہار اور انسان کا اسی ہی کی بندگی کرنے کے تحقق کے لیے مشروع ہے اور مکلف کے ادا کرنے سے ہی ادا ہوتے ہیں لہٰذا اس میں وکالت و نیابت جائز نہیں ہے۔

عبادات کی دوسری قسم میں وکالت کا حکم: دوسری قسم کی عبادات وہ ہیں جو کہ نیابت ووکالت کو قبول کرتی ہیں یعنی ان میں اپنا نائب اور وکیل بنانا جائز ہے ان کی پھر دو قسمیں ہیں: پہلی قسم محض اعمال کے اندر نائب اور وکیل بنانا ہے، جیسے صدقات کو دیگر مال سے الگ کرنے کا وکیل بنانا، یا زکوۃ کو مستحقین میں تقسیم کرنے کا وکیل بنانا، اسی طرح نذر و کفارات کو مستحقین تک پہنچانے کا وکیل بنانا وغیر ذلک۔ اس قسم میں مطلقا بغیر کسی قید و شرط کے وکالت و نیابت جائز ہے اس لیے کہ ان چیزوں میں مصلحت متعلقہ امر اور کام کے ساتھ وابستہ ہے اشخاص پر

نظر نہیں ہوتی ہے بس نفس امر یعنی زکاۃ وغیرہ کی ادائیگی یا کفارہ کی ادائیگی، یہ مکلف کی طرف سے ہونا ضروری ہے باقی یہ ضروری نہیں کہ مکلف خود مستحقین تک پہنچائے بلکہ اپنا نائب اور وکیل بھی بنا سکتا ہے۔

دوسری یہ ہے کہ اعمال جو کہ عبادات بدنیہ اور مالیہ سے مرکب ہو جیسے حج وعمرہ وغیرہ، عبادات کی اس قسم میں علی الاطلاق نیابت ووکالت جائز نہیں ہے۔ اس قسم کی عبادات میں دو مصلحتیں ہوتی ہیں:

ا۔ ایک یہ کہ اللہ رب العزت کی تعظیم وجلال اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا اظہار، اس مصلحت کا تعلق عبدیت کے انجام دینے والے سے ہے کسی اور کے ساتھ یہ متعلق نہیں ہو سکتی لہٰذا اس قسم کی مصلحت میں نائب بنانا جائز نہیں ہے۔

۲۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ مثلاً حج ہے کہ اس میں اللہ کے راستہ میں مال وغیرہ خرچ کرنا ہوتا ہے اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا حج کا فریضہ سرانجام دینے والے کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا بھی اس کی طرف سے نائب اور وکیل بن کر اس کو انجام دے سکتا ہے کہ اپنے مال سے کسی کو حج کرادے یا مجاھدین کو اسلحہ خرید کر دے یا ان کے ساتھ کوئی بھی مالی معاونت کردے اس قسم کی مصلحت میں نائب بنانا جائز ہے۔

جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حج میں نیابت ووکالت جائز نہیں ہے انہوں نے پہلی مصلحت کا لحاظ کیا ہے جیسا ہے کہ امام مالکؒ کا یہ مسلک ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مال خرچ کر کے کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا کر حج کرادے تو نائب کے حج ادا کرنے سے اس کے حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ اس پر لازم رہے گا ہاں البتہ اسے مال خرچ کرنے کا اجر ضرور ملے گا اور اسی طرح حج کرنے والوں کی دعاؤں میں اس کا بھی حصہ ہوگا، یہ اس لیے کہ مال وغیرہ خرچ کرنا خارجی شے ہے، اس کے بغیر بھی حج ادا ہوتا ہے جیسا کہ مکی حج کرتا ہے لیکن یہ رائے مرجوح ہے اس لیے کہ حج میں مال خرچ کرنے سے انکار نہیں کیا جاسکتا خصوصا اس زمانے میں اس لیے کہ یہ قربت مالیہ حج کے سفر کے ساتھ لازم ہے اس لیے جدا نہیں ہو سکتی، باقی مکی کا مال خرچ کیے بغیر حج ادا کرنا نادر الوقوع ہے، غالب یہی ہے کے حج کا فریضہ سرانجام دینے میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے اور غالب ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: (عن ابن عباس رضی الله عنه أن امرءة من جهينة جاءت إلى رسول الله ﷺ فقالت: إن أمي نذرت أن تحج ولم تحج حتى ماتت أفأحج عنها؟ قال: نعم ! حجي عنها أرأيت ول كان على أمک دين أكنت قاضيته؟ اقضوا دين الله فالله أحق بالوفاء)[16]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ جھینہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور ابھی وہ حج نہیں کر سکی تھی کہ اس کی وفات ہو گئی، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کی طرف سے حج کرو، مجھے بتاؤ کہ آپ کی ماں کے ذمے قرض ہوتا تو تم اس کو ادا نہیں کرتیں؟ لہٰذا اللہ کے قرضے کو بھی ادا کرو، اللہ تعالیٰ وفا کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہو کہ عجز یا موت کے بعد حج وغیرہ میں نیابت ووکالت جائز ہے۔

وکالت کو قبول نہ کرنے والی چیزیں

روزہ میں نیابت:

روزہ محض ایک بدنی عبادت ہے زندگی میں تو اس کی نیابت ووکالت کے جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، البتہ اگر کوئی شخص مر گیا اس حالت

میں کہ اس کے ذمہ روزوں کی ادائیگی ابھی باقی تھی چاہے وہ واجب یا فرض روزے ہوں یا نذر و کفارہ کے روزے، تو کیا اس شخص کی طرف سے نیابتاً کوئی دوسرا روزے رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کی دو آراء ہیں۔

پہلی رائے: امام ثوری و دیگر اصحاب حدیث فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے صوم واجب کی نیابت لازم ہے اور حنابلہ اس لزوم کو صرف صوم نذر کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور مذکورہ حدیث کو دیگر دوسری احادیث پر محمول کرتے ہیں جن میں لزوم کو نذر کے ساتھ معلق و خاص کیا ہے جیسے یہ حدیث ہے کہ: (عن ابن عباس رضى الله عنه قال: قالت امرءة للنبي ﷺ ماتت أمي وعليها صوم نذر أفأقضيه عنها؟ قال: نعم، فدين الله أحق أن يقضى)۔[17]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور اس پر نذر کے روزے باقی تھے کیا میں اس کی طرف سے قضا کر لوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اللہ کا دین (قرضہ) زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی ادائیگی کی جائے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لزوم صوم نذر کے ساتھ خاص ہے اور پہلی حدیث اسی پر محمول ہے۔

دوسری رائے:

دوسری رائے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور ان سے موافقت کرنے والوں کی ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا نائب اور وکیل نہیں بنایا جا سکتا ہے بلکہ یہاں صرف کفارہ واجب ہے۔

حدود میں وکالت:

مؤکل فیہ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حدود اللہ میں سے کوئی حد نہ ہو۔

یمین میں وکالت:

یمین اور قسم میں بھی وکالت جائز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی جگہ قسم اٹھانے کا وکیل بنائے کیونکہ قسم میں اصل مقصود حالف (قسم اٹھانے والے) کی سچائی کا اظہار ہوتا ہے جبکہ وکیل بنانے سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوگا، اس لیے اس میں وکالت جائز نہیں ہے۔ اسی طرح نکاح میں وطی اور جماع کا وکیل بنانا یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اور کسی بھی معصیت اور حرام کام میں توکیل جائز نہیں ہے اس لیے کہ معاصی اور محرمات کا حکم ان کے ارتکاب کرنے والے کے ساتھ خاص ہوتا ہے، قیامت میں اسی سے پوچھ ہو گی نہ کہ کسی اور سے، لہٰذا چوری، ڈاکہ زنی اور کسی بھی جنایت میں کسی دوسرے کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

پیش نظر تحقیقی مقالہ میں جس کا عنوان " مسئلہ وکالت "کا فقہ اسلامی کی روشنی میں علمی و تحقیقی جائزہ" ہے: میں وکالت کے مسئلہ کا قرآن وسنت، اسلامی تعلیمات اور فقہ کی روشنی میں علمی تحقیقی و تنقیدی جائزہ مدلل و مبسوط انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس میں مسلمانوں کے باہمی معاملات بالخصوص تجارتی و معاشی سرگرمیاں، باہمی خرید و فروخت کے متعلق حرمت کے اصول و ضوابط بیان کیے گئے ہیں، یہ مختصر مقالہ

جدید تحقیقی اسلوب و منہج کی روشنی میں متعلقہ موضوع پر قدیم وجدید مراجع سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے مکمل کیا گیا ہے، جس کا بنیادی موضوع" مسئلہ وکالت "کا فقہ اسلامی کی روشنی میں علمی و تحقیقی جائزہ" ہے۔

مذکورہ مقالہ کا ماحصل، نتیجہ اور خلاصہ بحث یہ ہے کہ کسی ماہر فن کی خدمات لیکر اس سے اپنا کام کروانا موجودہ زمانے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔ہاں البتہ موجودہ زمانے میں اس کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی ہے جیسے جیسے دنیا تیزی سے اپنا ترقی کا سفر طے کررہی ہے ویسے ہی معاملات بھی نئ سے نئ شکل اور روپ اپنارہے ہیں، خصوصا عدالت کے مقدمات جس کو سمجھنا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے کیونکہ عدالت کی اپنی زبان ہوتی ہے جسے سمجھنے کے لیے کئ سالوں پہ مشتمل نصاب پڑھنا پڑتا ہے، اسی بناءپر ہمیں کسی وکیل کی ضرورت پڑتی ہے۔اسی طرح وقت کی ضرورت کے پیش نظر آجکل مالی معاملات کے بہت سے ادارے قائم ہوچکے ہیں مثال کے طور پر بینک اور اسٹاک ایکسچینج وغیرہ، لیکن ان اداروں میں وکیل بنائے بغیر کوئی کام نہیں کرایا جاسکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان ادارون میں معاملات بہت نازک اور فنی نوعیت کے ہوتے ہیں۔عام انسان کے لیےاس کا سمجھنا انتہائی دشوار ہوتا ہے بلکہ اس کے لیے باقاعدہ ماہرین سے تعلیم لی جاتی ہے اور کئی سال کی تعلیم کے بعدان اداروں میں کام کرنے کا اہل سمجھا جاتا ہے۔

References

1. The Qur'an, Surah 43 verse 32
2. Quran, Surah 03 verse 173
3. Qur'an, Surah 03 verse 160
4. Muhammad Rawas Qalaji, Dictionary of the Language of Jurisprudence, Beirut, Dar al-Nafais for Printing, Publishing and Distribution, 1996, page 480.
5. Ibn Najim, Zayn al-Din ibn Ibrahim, Al-Bahr al-Ra'q, Beirut, Dar al-Kitab al-Alamiya, 1997, vol. 7, page 141
6. Ibn Gharabili, Shams al-Din Muhammad ibn Qasim al-Ghazi, Fath al-Qarib al-Mujib fi Sharh al-Walaf al-Taqreeb, Beirut, Darabin Hazm, 2005, page 183
7. Abu al-Najja Sharaf al-Din Musa al-Hajawi al-Maqdisi, Al-Aqna 'fi Fiqh al-Imam Ahmad ibn Hanbal, Beirut, Dar al-Ma'rifah, vol. 2, page 232
8. Abu Abdullah Muhammad Al-Kharshi, Sharh Mukhtasar Khalil for Al-Kharshi, Egypt, Al-Kubra Al-Amiriyya Press, 1317, vol. 6, page 68
9. Quran, Surah 18 verse 19
10. Qur'an Surah verse 20
11. Al-Bukhari, Muhammad ibn Asma'il, Al-Jami 'al-Sahih, Kitab al-Bay'u', Bab al-Wakalfi Qaza 'al-Din
12. Abu Dawud Sulayman bin Al-Ash'ath Al-Azdi Al-Sujistani, Sunan Abi Dawud, Damascus, Dar Al-Risalah Al-Alamiya, 2009, Chapter on Advocacy, Volume 5, Page 475
13. Quran, Surah 05 verse 2
14. Abdul Rahman Al-Jazri, Kitab al-Fiqh Ali Al-Madhahib Al-Arba'ah, Beirut, Dar Al-Kitab Al-Alamiya, Bab Sharoot Al-Wakalat, Volume 3, Page 160
15. Abu Abdullah, Ahmad ibn Hanbal al-Shaybani, Musnad al-Imam Ahmad ibn Hanbal, Beirut, Al-Risalah Foundation for Printing, Publishing and Distribution, vol. 44, page 150
16. Abul Hassan Obaidullah Al-Mubarakfuri, Mar'aat Al-Mufatih, Banaras Al-Hind, Islamic Research Institute, Volume 8, Page 400
17. Abu Dawud Sulayman bin Al-Ash'ath Al-Azdi Al-Sujistani, Sunan Abi Dawud, Damascus, Dar Al-Risalah Al-Alamiya, 2009, Bab Al-Sum Fi Safar